انجمن ترقی اردو ہند

کا

ہفتہ وار اخبار

قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک پرچہ
دو آنہ
تاریخ اشاعت
[illegible]

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر
ایل ۹۱۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹
تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڑھ

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶	علیگڈھ - ۸ فروری ۱۹۵۷ ع	شمارہ ۶

رفتار

خلیل الرحمٰن اعظمی

اردو میں تنقید کا لفظ اب اتنا استعمال ہونے لگا ہے کہ ادیبوں کی قوم میں نقادوں کا ایک مستقل طبقہ سا بن گیا ہے۔ لیکن ادب اور فن کے بنیادی مسائل پر اگر اردو میں کوئی کتاب تلاش کی جائے تو شاید ہی مل سکے۔ کچھ دنوں تک ہماری تنقید "واہ واہ اور سبحان اللہ" کے دائرے میں گھومتی رہی ۔ اس سے نکلی تو تنقید کے نام پر ہدایت نامے تیار ہونے لگے۔ ادیب کو یہ کرنا چاہئے ، ادیب کو یہ نہیں کرنا چاہئے "کلیم الدین احمد نے" مولانا حالی پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کی واقفیت محدود تھی اور وہ ایک اوسط درجے کا ذہن رکھتے تھے۔ پھر بھی مولانا حالی نے "مقدمہ شعر وشاعری" میں جس طرح شعر کی ماہیت اور تخلیقی عمل پر غور کیا ہے اور چند اصول مقرر کر کے اردو شاعری کے ذخیرے کو کھنگالا ہے اس کی مثال ہمارے بعد کے دنوں میں نہیں ملتی ۔ ہمارے بیسویں صدی کے تنقید نگار تو اپنی تمام ڈگریوں سمیت تنقید کے نام پر ایک طرح کی "غزل گوئی" کرتے رہے ہیں یعنی بجائے مربوط طور پر نئے علوم کی روشنی میں ادب کے تخلیقی عمل کو سمجھنے کے منتشر طور پر مغرب سے لئے ہوئے بعض تنقیدی اصولوں کی تشریح اور تکرار کرتے رہے ہیں ۔ البتہ بعض اوقات کتابوں کے نام ایسے ضرور رکھے گئے ہیں جن سے تھوڑی دیر کے لئے آدمی دھوکا کھا جائے۔

تنقید کیا ہے ؟	آل احمد سرور
تنقید اور عملی تنقید	احتشام حسین
روایت کیا ہے ؟	عبادت بریلوی
ادب کیا ہے ؟	نورالحسن ہاشمی
کلاسیکی ادب	خواجہ احمد فاروقی

اب ان کتابوں کو اگر کھول کر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ تو متفرق مضامین کے مجموعے ہیں جو وقتاً فوقتاً رسالوں میں چھپتے رہے ہیں اور اب انھیں یکجا کر کے کسی پبلشر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ انھیں میں بعض ریڈیو کی تقریریں ، صدارتی خطبے اور کتابوں کے دیباچے بھی شامل ہیں۔ مجھے ان مضامین کی افادیت سے انکار نہیں ہے۔ یہ ادب کے متعلق عام معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے امتحان کی تیاری میں بے انتہا معاون ہوتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مضامین ان ذہنوں کے لئے بھی روشنی بہم پہنچا سکتے ہیں جو خود بھی کسی نہ کسی "تخلیق" کے لئے بے قرار ہیں اور کیا ان تحریروں سے ان اشخاص کی رہنمائی ہو سکتی ہے جو اپنی ادبی شخصیت کی تلاش میں ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر کسی ایسے میدان کی طرف نکل جانا چاہتے ہیں جہاں جا کر انھیں پچھتانا نہ پڑے۔ اگر نقاد یہ کام نہیں کر سکتا تو پھر کیوں نہ اسے صرف "مدرس" سمجھا جائے اور حسن عسکری" اردو کے پروفیسروں" پر پھبتیاں کستے رہتے ہیں تو اس پر خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

اردو کے نقادوں سے متعلق میرے اس رویے میں ایک طرح کی تلخی اور جھلاہٹ ضرور ہے۔ لیکن جھلاہٹ دوسری قسم

یا جلد بازی کو دخل نہیں ہے۔ میں ان تمام حضرات کا احترام کرتا ہوں اور توقع بھی رکھتا ہوں کہ یہ لوگ چاہیں تو اردو میں نظم و نثر کے فن پر اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھ سکتے ہیں اردو کے فنی اور تنقیدی سرمائے کو اب "شعر الہند"، "گل رعنا"، رام بابو سکسینہ کی "تاریخ ادب اردو"، احسن مارہروی اور حامد حسن قادری کی "تاریخ نثر اردو"، شمس العلماء مولوی عبد الرحمٰن کی "مراۃ الشعر"، مرزا محمد عسکری کی "آئینہ بلاغت" اور مرزا یگانہ کے "چراغ سخن" سے آگے جانا ہے۔ اس لیے کہ یہ ساری کتابیں معیاری اور بلند پایہ ہوتے ہوئے بھی قدیم نقطہ نظر کی حامل ہیں اور ان کا انداز بھی عام طور پر تدریسی ہے۔

خیر اس شکوہ شکایت کے بعد اب کچھ خوشگوار باتیں بھی کر لی جائیں تو کیا حرج ہے۔ میری اطلاع کے مطابق ادب کے بنیادی مسائل سے متعلق اس وقت تین کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ ایک تو "فن شعر" پر ڈاکٹر مسعود حسین کی جس کے کچھ اجزا "تخلیق شعر" اور "مطالعہ شعر" (لسانیاتی نقطہ نظر سے) کے عنوان سے شائع بھی ہو چکے ہیں دوسری کتاب اسلوب احمد انصاری کی "اصول تنقید" پر ہے۔ تیسری عابد علی عابد کی "اردو شاعری کے رموز و علائم"۔ ان تینوں حضرات نے تبلیغی انداز سے علیحدہ ہو کر خالص علمی اور فلسفیانہ انداز میں اپنے موضوعات کی چھان بین کی ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت سے ہمارے تنقیدی سرمائے کا وزن اور وقار بڑھے گا۔ ادب اور فن کے بعض بنیادی مسائل اور تخلیقی عمل سے متعلق کچھ اور نقادوں نے بھی ادھر سائنٹفک انداز میں غور کرنا شروع کیا ہے اور ان کے مضامین پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ذرا گہرائی میں اترے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون "شاعری جنون یا عمد"؟ (ادب لطیف) "خیال اور تخیل" (تخلیق) ممتاز حسین کا مضمون "رسالہ درباب معرفت استعارہ" (نیا دور) اور "نثر معلیٰ" (نیا دور) الطاف گوہر کا "طرز اور صاحب طرز" (نیا دور) اور "طرز اور تجربہ" (نیا دور) وزیر آغا کا "اردو نظم کا مزاج" (ادب لطیف) جمیل جالبی کا "اردو نثر کے مسائل" (شعور) محمد حسن عسکری کا "محاوروں کا مسئلہ" (ماہ نو) "ترجمے سے فائدہ اٹھانے کا سوال ہے" (ماہ نو) اور "اردو نثر کا مسئلہ" (سیارہ) قابل ذکر ہیں۔ اسلوب احمد انصاری نے جن کی مستقل کتاب کا ذکر ہو چکا ہے کچھ مضامین بھی بعض بنیادی مسائل سے متعلق لکھے ہیں جن میں "شعری صداقت" (نگار) "تخلیق اور تنقید" (اردو ادب) اور "چند ادبی اقدار" (صبا) بہت اہم ہیں۔ ادب اور فن سے متعلق بعض اہم سوالات کے متعلق جو تشنگی تھی شاید انہیں کی خاطر دوسری زبانوں سے بعض اہم تنقیدی مضامین کے ترجمے بھی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ "کلاسیک کیا ہے؟" اس موضوع پر ساں بو اور ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے مضامین کے ترجمے "نئی تحریریں" میں شائع ہوئے ہیں اور اسی موضوع پر عابد علی عابد نے اردو کے کلاسیکی ادب کو سامنے رکھ کر ایک مضمون لکھا ہے۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ کے بعض اور مضامین کے ترجمے بھی حال ہی میں ہوئے ہیں "روایت اور انفرادیت" کا ترجمہ مختار صدیقی نے "سویرا" میں شائع کیا ہے اور خود بھی اس موضوع پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے۔ اس موضوع پر "سویرا" میں اردو کے بعض اور ادیبوں نے ایک سمپوزیم کی شکل میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "شاعری کی تین آوازیں" (ترجمہ ن۔م راشد۔ نئی تحریریں) "ڈراما اور شاعری" (ترجمہ رحمان مذنب۔ ساقی) "منظوم ڈرامے کا نصب العین" (ترجمہ جمیل جالبی۔ نیا دور) ایلیٹ کے ان ترجموں کے علاوہ اسی موضوع پر مظفر علی سید نے ادب لطیف کے "ڈراما نمبر" میں ایک قابل قدر مضمون لکھا ہے۔ سلیم جعفر مجنوں نے نظیر اکبرآبادی پر اہم تحقیقی و تنقیدی کام "جواہر کلیات نظیر" کے نام سے ہندستانی اکیڈمی سے شائع کیا تھا اور ان کا ایک معرکۃ الآرا مضمون "گاتھا کا عروض" "زمانہ" کانپور میں شائع ہوا تھا ان کا ایک اہم مقالہ "دوہے اور ان کی تکنیک" "نیا دور" میں شائع ہوا ہے اور ہندی کی رزمیہ شاعری سے متعلق ایک مضمون "مشرق" میں نکلا ہے یہ سارے مضامین ایسے زمانے میں شائع ہوئے ہیں جب نئی نسل کے ادیب اپنے سامنے ایک خلا محسوس کر رہے تھے اور ادب اور فن کے سلسلے میں ان کا راستہ دھندلا نظر آ رہا تھا۔ اگر اردو کے تنقید نگار اسی طرح علمی اور فلسفیانہ نہج پر فن کی گتھیوں کو سلجھائیں تو نہ صرف یہ کہ ہمارا تنقیدی ادب وسیع ہوگا بلکہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں کو بھی اعلیٰ درجے کے تخلیقی کارناموں کا حوصلہ ہوگا۔

ہماری زبان کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ منی آرڈر سے دو آنے اور وی۔پی سے چار آنے صرف آتا ہے۔

ہماری زبان

۸ - فروری ۱۹۵۷ء

انتخابات اور اردو

انتخابات کا زور ہے۔ پارٹیوں نے اپنے اپنے امیدواروں کا اعلان کردیا ہے۔ انتخابی منشور شائع ہو چکے ہیں۔ امیدوار اپنے حلقے کے ووٹروں کو پرچانے کی مہم شروع کر رہے ہیں۔ کانگریس چونکہ برسر اقتدار جماعت ہے اور اسی کے پھر کامیاب ہونے کے قوی امکانات ہیں اس لئے اس کا منشور زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس منشور میں بہت سی کام کی باتیں ہیں۔ مگر اردو کا تذکرہ کہیں نہیں۔ دوسری سیاسی پارٹیاں بھی خاموش ہیں۔ صرف جن سنگھ نے یہ دھمکی دی ہے کہ اقتدار ملا تو اردو سے ہندستان کو پاک کردے گا۔ کچھ اخباروں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ کانگریس ہر بات کا خیال رکھتی ہے مگر غریب اردو کی اسے کوئی پروا نہیں۔ بعض حلقوں سے یہ آواز بھی اٹھتی ہے کہ اس موقع پر اردو کے لئے اگر کچھ وعدے لے لئے گئے تو ان سے آئندہ فائدے کی توقع ہے۔ ووٹ کی چاٹ بڑی ہوتی ہے۔ امیدوار کو آخر اردو والوں سے بھی ووٹ لینے ہیں اس لئے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے اور سیاسی پارٹیوں سے اردو کے لئے جو بھی مراعات مل سکتی ہیں لو جھگڑ کر لے لینی چاہئیں۔ اسی سلسلے میں کبھی دبی زبان سے اور کبھی برملا انجمن ترقی اردو ہند کی خاموشی پر بھی کچھ چھینٹے ہو جاتے ہیں کہ اردو کے ساتھ اندھیر ہو رہا ہے اور انجمن چپ چاپ تماشا دیکھ رہی ہے۔ انجمن کو میدان میں آنا چاہئے۔ اردو کے لئے سربکف ہونا چاہئے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے ایسی حکومتوں کا تختہ الٹ دینا چاہئے جو اردو کے معاملے میں بے حسی اور تنگدلی کا ثبوت دے رہی ہیں۔ ہم نے پہلے بھی اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سنا ہے جہاں سیاست آجائے وہاں پھر تکرار مفید ہی ہوتی ہے۔ اس لئے پھر چند باتیں کہہ دیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ انتخابات اہم سہی، مگر فیصلہ کن نہیں۔ اگر سیاسی پارٹیاں برابر کی ہوتیں تو ہر پارٹی عوام کو ہاتھ میں لینے کے لئے بہت کچھ کرتی۔ مخالف پارٹیاں وعدے کریں بھی تو وہ فی الحال اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ انہیں پورا کرسکیں۔ کانگریس صرف یہ پوزیشن رکھتی ہے۔ کانگریس کے مقاصد پر اعتراض کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ ہندستان میں ایک اشتراکی جمہوریت کا قیام اس کا نصب العین ہے۔ وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی ہے اور اقلیت کی زبانوں کا مناسب تحفظ کرنا چاہتی ہے مگر اس کے لیڈروں میں بھی سب گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کی طرح انصاف پسند اور وسیع القلب نہیں ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں کرنا نہیں چاہتے اور جو کرتے ہیں ناگفتہ ہے۔ کانگریس کی مشین ملک کی اکثریت کی عام ذہنیت سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ تمام سیاسی پارٹیاں اردو کے ساتھ انصاف کی دعوے دار ہیں۔ اردو کے معاملے میں عام طور پر ان کی طرف سے اچھے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں جن سنگھ دراصل خالص سیاسی مقاصد نہیں رکھتی وہ ایک مذہبی رنگ کی سیاست کا فروغ چاہتی ہے۔ اس لئے وہ خالص سیاسی جماعت نہیں ہے۔ وہ ضرور اردو کی علانیہ مخالف ہے۔ مگر باوجود اردو کے متعلق ہمدردانہ جذبے کے ملک میں اردو کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے۔ یہ سیاسی پارٹیوں کا قصور نہیں۔ ملک میں جو عام ذہنیت ہے اس کا قصور ہے۔ ابھی اس میں تنگ نظری بھی ہے۔ نفرت بھی۔ من مانی کرنے کا جذبہ بھی اس میں اقلیتوں کی پچھلی غلطیوں کا انتقام لینے کی خواہش بھی ہے۔ یہ ابھی ایک غیر مذہبی جمہوری ریاست کے تصور کو پوری طرح اپنا نہیں سکی ہے۔ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب میں فرق ہے۔

دوسرے اس صورت حال کو بدلنے کے لئے انتخابات کے ہنگامے زیادہ موثر نہیں۔ لوگوں کے دل اس طرح نہیں بدلا کرتے سیاسی پارٹیاں اس وقت جو وعدے کریں گی ان کو وفا بھی کریں گی۔ ہمیں اس میں شبہ ہے۔ ہاں اگر اردو والے ملک کی ترقی میں حصہ لیں گے، ایک غیر مذہبی جمہوری ریاست کے قیام میں پوری مدد دیں گے، ملک کے تعمیری کاموں میں ہاتھ بٹائیں گے۔ اپنے عمل سے ملک کے ساتھ وفاداری، ہندستانی قوم کے ساتھ وابستگی، ترقی پسند جماعتوں اور تحریکوں کے ساتھ دلچسپی ظاہر کریں گے تو یقیناً اکثریت کا رجحان ان کے حق میں ہو جائے گا۔ انصاف پسندی کا جذبہ ابھرے گا اور اقلیتوں کی تہذیب زبان اور روایات کو سارا ملک اپنائے گا اور اس پر فخر کرے گا۔

تیسرے اردو والوں کو حکومت یا دوسروں سے ہر بات

کی توقع رکھنا ترک کرنا ہوگا۔ انھیں خود بہت کچھ کرنا ہوگا جب تک حکومت ہر جگہ اقلیتوں کے لئے ابتدائی اسکول ان کی زبان کی تعلیم کے لئے نہیں کھولتی، خود اپنے ذرائع سے ایسے اسکول کھولنے ہوں گے۔ اگر حکومت کتابیں مہیا نہیں کرتی تو یہ کام بھی خود کرنا ہوگا۔ اپنے ادبی ادارے خود چلانے ہوں گے، اپنے علمی، ادبی اور تہذیبی سرمائے کی خود حفاظت کرنی ہوگی۔ ایسے لوگوں کو جو خود بھی اپنی سعی کرتے ہیں ان کے حقوق جلد مل جایا کرتے ہیں جو خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں ان کی مدد دوسرے کیوں کرنے لگے۔

ہندستان میں اردو زبان کا چلن آج بھی بہت ہے اس کے ادب کی مقبولیت بھی کم نہیں ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ زبان کے اس چلن کو باقی رکھیں اور ادب کی مقبولیت کو بڑھائیں۔ زبان کے چلن کو باقی رکھنے کے لئے اپنے اسکول اپنے مرکز اپنے ادارے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اچھے اخبارات رسالے، کتابیں بھی اس میں مدد کر سکتی ہیں۔ اچھا ادب پیدا کرنے کے لئے اپنی نظر وسیع کرنی ہوگی۔ آج کی بدلتی ہوئی دنیا سے بہت کچھ لینا ہوگا۔ لوگوں کے دکھ درد کی عکاسی کرنی ہوگی۔ انھیں کاروباری دور میں اچھی قدریں دینی ہوں گی۔ اپنے کلاسیکی خزانے کے موتیوں کو دوسری زبانوں تک پہنچانا ہوگا۔ اپنی علمی ساکھ بڑھانی ہوگی۔

ہو سکے تو اس کے لئے مسلسل حکومت سے اور اکثریت سے جدوجہد بھی کرنی ہوگی۔ لوگوں کو سمجھانا ہوگا۔ ان کے دل بدلنے ہوں گے۔ انھیں تنگ نظری سے وسیع النظری کی طرف، تنگ ظرفی سے عالی ظرفی کی طرف لانا ہوگا۔ اپنے مطالبات کی جانچ پڑتال کرکے ان میں کچھ پر سختی سے بنا ہوگا کچھ میں ترمیم کرنی ہوگی، بنیادی اور جزوی باتوں میں فرق نہ کیا جائے تو آگے بڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اردو کا تلعہ سر کرنا ہے تو کسی طلسمی لوح سے کام نہ چلے گا اس کے لئے کوئی سستا نسخہ یا تعویذ کام نہ آئے گا انتخابات ہمارے درد کی دوا نہیں ہیں۔ اس کے لئے مناسب غذا ضروری پرہیز اور انتہائی باقاعدگی کی ضرورت ہے

پیش کرغالباً عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

خط و کتابت میں دفتر کے کسی شخص کا نام نہ لکھئے صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو علی گڑھ لکھ دینا کافی ہوگا۔ دفتری خطوں میں نام ہونے سے ڈاک کے جواب میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

انجمن کی خبریں

راجستھان

ہمدردان اردو کو صدمۂ عظیم

ہر ہمدرد اردو اور بالخصوص راجستھان کے حامیان اردو کے لئے یہ خبر نہایت رنج دہ اور الم آفریں ہے کہ راجہ پنڈت امرناتھ اٹل ایم۔ اے ریٹائرڈ وزیر خزانہ جے پور نے یکم اور ۲ر فروری کی درمیانی شب میں انتقال کیا۔

موصوف بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور راجستھان میں اردو کے مربی کی حیثیت رکھتے تھے۔ جے پور کے دو مشہور آل انڈیا مشاعروں کے بھی صدارت فرما چکے تھے اور ۱۹۵۷ء کے کل راجستھان اردو کنونشن کے صدر بھی آپ ہی تھے۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کے جملہ ارکان اس ارتحال کو راجستھان میں اردو والوں کے لئے ایک صدمہ عظیم تصور کرتے ہیں اور اپنے دلی رنج و غم کے ساتھ موصوف کے پسماندگان کے برابر کے شریک غم ہیں۔

جنرل سکریٹری (احترام الدین احمد)
انجمن ترقی اردو راجستھان۔

کریم نگر (آندھرا)

۲۶ جنوری کو کریم نگر میں یوم اردو منایا گیا۔ اس جلسے کا افتتاح کلکٹر ضلع مسٹر وٹھل راؤ نے کیا اور قاضی محمد بشیر الدین صاحب میر بلدیہ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا جن کے بعد کئی معززین و عمائدین نے بھی تقریریں فرمائیں۔

جناب حبیب الرحمن صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اپنے خطبہ میں اس بات پر زور دیا کہ اپنی زبان کی حفاظت اور ترقی کے لئے ہمیں علمی اور ٹھوس کاموں کی طرف توجہ دینا چاہئے

رات میں فراست صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی صدارت میں مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی غازی الدین صاحب سشن جج نے شمع مشاعرہ روشن کی۔ مقامی شعراء کے بعد حیدرآباد کے مہمان شعراء سلیمان اریب اور وحید اختر نے اپنا کلام سنایا۔ تقریباً دو بجے رات کو یہ پر لطف صحبت ختم ہوئی۔

یوم اردو کی تقریب کا اختتام معتمد مشاعرہ ابو النصر ناصر علی کے ترانے پر ہوا۔

اردو دنیا

یوم جمہوریت پر اردو لائبریری

افکار بھوپال کی اطلاع ہے کہ یوم جمہوریت کے موقع پر بزم ادب اجین کی طرف سے ایک اردو لائبریری قائم کی گئی ہے جلسۂ افتتاح کی صدارت قاضی عطاء الرحمن صاحب نے کی. میونسپل بورڈ کے صدر کاموڑ سنگھ صاحب نے لائبریری کے قیام پر اظہار مسرت کیا۔

علاقائی اردو کانفرنس

بنارس میں علاقائی اردو کانفرنس ۱۸، اور ۱۹ فروری ۱۹۵۷ء کو ہو رہی ہے۔ داعیان کانفرنس کے اعلان کا خلاصہ یہ ہے۔

اراکین انجمن ترقی اردو بنارس اور جمیع محبان اردو بنارس نے یہ طے کیا ہے کہ کم سے کم صوبہ یوپی کے مشرقی اضلاع یعنی بنارس، مرزاپور، غازی پور، جون پور، اعظم گڑھ بلیا، گورکھپور، بستی، دیوریا، الہ آباد، پرتاپ گڑھ وغیرہ کی ایک عظیم الشان علاقائی اردو کانفرنس بنارس میں منعقد کی جائے جس میں تمام مشرقی اضلاع کے نمائندے شریک ہوں اور عام اردو داں طبقے کا تعاون حاصل کیا جائے۔

اس کانفرنس میں یوپی میں اردو کی موجودہ صورت حال پر غور کیا جائے گا اور کوئی عملی صورت اختیار کرنے پر سوچ بچار کیا جائے گا۔

وزیر صحت اور اردو

یوپی کے وزیر صحت مسٹر گپتا نے یوم جمہوریہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے اردو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:-

سبھا نے مل کر ہندی کو قومی زبان مان لیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری زبانوں کو ختم کر دیا جائے میں اتر پردیش سرکار کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اردو کو ترقی کے تمام مواقع دئے جائیں گے جو سرکاری افسر اردو زبان کو دبانے کی کوشش کرتا ہے وہ غلط کرتا ہے۔

زبان صرف زبان ہے اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں اردو زبان بھی محض مسلمانوں کی زبان نہیں ہے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں ہی نے اس زبان کو اپنایا تھا۔"

مادری زبان میں تعلیم

مسٹر سی راجگوپال اچاریہ نے مدراس میں انٹرنیشنل فیلوشپ کے سالانہ جلسے میں ترتیبی تعلیم کے موضوع پر مباحثے کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ زبانوں کی کثرت مادری زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کرنے میں رکاوٹ نہ ہونا چاہیے۔

نمائش گاہ بلند شہر میں مشاعرہ

۳۱ جنوری ۱۹۵۷ء بروز جمعرات شب کے آٹھ بجے ایک تاریخی سالانہ اور انڈوپاک مشاعرہ نمائش گاہ بلند شہر کے عالیشان پنڈال میں زیر صدارت جناب جنرل شاہنواز خاں نائب وزیر ریلوے منعقد ہوا مشاعرہ مذکورہ اتنا کامیاب تھا جس کا موازنہ پچھلے برسوں کے مشاعروں سے نہیں ہو سکتا۔ مشاعرہ بڑی کامیابی کے ساتھ طلوع آفتاب تک جاری رہا۔ سامعین نے جس نظم و ضبط کا اظہار کیا وہ قابل ذکر ہے۔

مشاعرہ کی کامیابی کا سہرا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر ایس حامد کے سر ہے۔ ناظم کے فرائض کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ڈپٹی کمشنر گوڑ گاؤں نے ادا کئے۔ سامعین میں نواب آف چھتاری اور دیگر معززین شریک تھے۔ مشاعرے کا ریکارڈ تیار کیا گیا ہے۔

مشاعرے میں جن شعراء کرام نے سامعین کو محظوظ و مستفید فرمایا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت جگر مرادآبادی، حضرت فیض احمد فیض، تلوک چند محروم، نریش کمار شاد، گلزار دہلوی، ساحر ہوشیارپوری، شاہد، نکہت بانی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، مظفر برنی، سید حامد، بسمل سعیدی، روش صدیقی، مسعود اختر جمال، ساغر نظامی، محشر امروہوی، شمیم جے پوری، نازش نظامی کان پوری، آثر رضوی امروہوی، والی لکھنوی، ماہر لکھنوی، واقف مرادآبادی، محمود آفندی، روشن آرا نسیم، نسیم اختر، صاحبزادی محمود دہلوی، جگن ناتھ آزاد کے علاوہ بہت سے شعراء نے بھی کلام سنایا۔

(مظفر برنی بلند شہر)

حضرت جگر کو عصرانہ

یکم فروری ۱۹۵۷ء کو حضرت جگر مرادآبادی کو آفتاب احمد صاحب ایڈیشنل جج بلند شہر کی جانب سے عصرانہ دیا گیا۔ جگر صاحب کے ساتھ دیگر شعراء بھی مدعو تھے۔

سہیل اکیڈمی

جناب افتخار اعظمی جنرل سکریٹری اطلاع دیتے ہیں:-

۲۴۔جنوری ۱۹۵۷ء کو سہیل اکیڈمی کے قیام کے بارے میں غور و فکر کے لئے اعظم گڈھ میں سہیل مرحوم کے مکان پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ شاہ معین الدین ندوی (مدیر معارف) مرزا احسان بیگ۔ سید صباح الدین (رفیق دار المصنفین) یحییٰ اعظمی مولانا عبد الباری۔ پروفیسر اعجاز الحسن، حماد عباسی، عرفان احمد، محمد مزمل اور امین اللہ وغیرہ شریک ہوئے اور بالاتفاق سب لوگوں نے اکاڈمی کے قیام کی تجویز کو منظور کیا۔ حسب ذیل انتخابات منظور ہوئے۔

سرپرست:-

(۱) شاہ معین الدین ندوی

(۲) عبد الغنی انصاری

(۳) شیخ ممتاز حسین جونپوری

صدر:- مرزا احسان بیگ

نائب صدر پروفیسر اعجاز الحسن

جنرل سکریٹری۔

افتخار اعظمی

سکریٹری:- حماد عباسی

(تجویز بہت مفصل اور بصیرت افروز ہے۔ آئندہ اشاعتوں میں جگہ نکلی تو شائع کی جائے گی۔

ہماری زبان)

تمثیلی مشاعرہ

جنرل سکریٹری نیشنل کلچرل ایسوسی ایشن لکھنؤ اطلاع دیتے ہیں کہ:-

امیر الدولہ اسلامیہ کالج کے طلبا اور اساتذہ کی اعانت سے ۵۔فروری ۱۹۵۷ء کو وارانسی (بنارس) کی سرکاری نمائش کے موقع پر "دہلی کی آخری شمع" کو آچاریہ نریندر دیو ہوسٹل کے صحن میں پیش کیا گیا۔ تقریباً دس ہزار آدمی شروع سے آخر تک سنتے رہے اور بے حد پسند کیا گیا۔ بنارس کے اخبارات نے نظم و ضبط اور عمدہ طریقے پر مشاعرہ کو اسٹیج کرنے پر بہت تعریف کی یہ مشاعرہ محکمہ اطلاعات اترپردیش کے ڈائرکٹر صاحب کی درخواست پر منعقد ہوا تھا۔ اور اس کے جملہ اخراجات محکمہ اطلاعات نے برداشت کئے۔

۲۵۔جنوری ۱۹۵۷ء کی شب میں محکمہ اطلاعات کی اعانت سے تقریبات یوم آزادی کا آغاز اسی مشاعرے سے ہوا۔ اور دس ہزار سے زیادہ اہل ذوق نے اسے سنا۔ اترپردیش کے متعدد وزرار خصوصاً حافظ محمد ابراہیم صاحب۔ کملا پتی ترپاٹھی صاحب۔ تمام اعلیٰ سرکاری عہدیداران اور معززین شہر شریک ہوئے۔ ڈائرکٹر اطلاعات شری بھگوتی سرن صاحب نے شروع سے آخر تک انتظامات میں پوری دلچسپی لی۔ اور محکمہ اطلاعات کے تمام عہدہ دار انتظام میں شریک تھے۔ مشاعرہ ۸ بجے شروع ہوا اور ۱۱ بجے شب میں ختم ہوا۔ شعراء کے لباس خود محکمہ اطلاعات نے اپنے مصارف سے تیار کرائے تھے۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ اس محکمہ نے اردو کی ایک تقریب میں اس قدر دلچسپی لی۔ جس کے لئے ہماری ایسوسی ایشن ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات کی بے حد ممنون ہے۔ محکمہ اطلاعات کی طرف سے "دہلی کی آخری شمع" مرتبہ فرحت اللہ بیگ مرحوم کو ہندی میں شائع کیا جا رہا ہے۔

غزل

محروم گل و لالہ ہی سہی پر ذوقِ جنوں بیباک بھی ہے
اس طرح قفس میں ہوں کہ ابھی دامن میں چمن کی خاک بھی ہے

یوں تجھ سے بچھڑ کر جیتے ہیں غم خوار کو حسرت ہوتی ہے
کچھ تیری خوشی کا پاس بھی تھا کچھ غم کا ہمیں ادراک بھی ہے

کیوں خاک در میخانہ بنے کیا کیجئے پر آتنا جانتے ہیں
جو سایہ تہ گیسو نہ ملا وہ سایہ زیر تاک بھی ہے

آنکھوں میں خلوص اشک لئے اے کاش کوئی پھر ہم سے ملے
مت ہوئیں پلکیں تر نہ ہوئیں گو سینہ پرخوں چاک بھی ہے

جو ہونٹ پئے پرسش نہ کھلے کہتے ہیں کہ اب ہیں صرف دعا
جو آنکھ مری جانب نہ اٹھی وہ آنکھ بنا غم ناک بھی ہے

شاذ تمکنت

کتابوں کی نمائش

جنوری کے پہلے ہفتے میں پاکستان کے کتب فروش اور ناشروں کی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام کتابوں کی نمائش لاہور میں ہو رہی ہے۔ نمائش کو بڑے سلیقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔

مغربی پاکستان کی معاشی بہبود کی نائب وزیر بیگم جی اے خان نے نمائش کا افتتاح کیا

فیض احمد فیض نے ”عوامی ادب“ کے دن کا افتتاح کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں کتب و رسائل کی درآمد و برآمد کی دشواریوں اور پاکستانی ادیبوں کی مقبول کتابیں ہندستان میں اور ہندستان کے مشہور ادیبوں کی کتابیں پاکستان میں بلا اجازت شائع ہونے پر اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے حکومت کو اس جانب بطور خاص توجہ دلائی۔ نمائش کے آخری دن وزیر تعلیم مغربی پاکستان نے انعام تقسیم کئے۔ اس سے قبل انجمن ناشرین کے صدر ڈاکٹر عبدالوحید نے ناشرین کی عام مشکلات کو بیان کرتے ہوئے حکومت سے تعاون کی درخواست کی۔ (بحوالہ افکار کراچی)

اردو ہندی ایک ہیں

آندھرا کے وزیر داخلہ مسٹر پی گوپال ریڈی نے طلبہ کے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو ہندی ایک ہی زبان ہیں۔ صرف رسم خط کا فرق ہے۔

انھوں نے اس خیال کی سختی سے تردید کی کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ انھوں نے کہا کہ کیرالا، بنگال یا تامل ناڈ کے مسلمان اردو نہیں جانتے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ خود کہ مقطعہ اور دیگر مسلم ممالک کی زبان اردو نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگر ہندی کی تعریف مجھ سے پوچھی جائے تو میں اس کی وضاحت اس سے بہتر طریقے پر پیش کرسکتا کہ ہندی وہ زبان ہے جو وزیر اعظم پنڈت نہرو بولتے ہیں۔

فرضی قبر

اٹھائیس سال پہلے کاکوری ڈکیتی کے مشہور مقدمے کے سلسلے میں آزادی کے پروانے راجندر ناتھ لہری اور ان کے ساتھی رام پرشاد بسمل، اشفاق احمد اور روشن لال کو مختلف جیلوں میں پھانسی دی گئی تھی لہری کو گونڈہ جیل میں پھانسی پر چڑھایا گیا تھا۔

شہیدوں کے دن کے سلسلے میں پھانسی کی جگہ سے سو قدم کے فاصلے پر ضلع مجسٹریٹ مسٹر ذوالنورین نے لہری کی فرضی قبر کا سنگ بنیاد رکھا اور خراج عقیدت پیش کیا۔ گونڈہ جیل کے جیلر مسٹر رام دلارے نے شہید لہری کی عظمت پر ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ (بحوالہ قومی آواز)

کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

جمال کربلا - تصنیف - جمال قریشی احمد آبادی
ناشر - حسینی انجمن - جمال پور چکلہ احمد آباد گجرات
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۱۲
کاغذ اچھا۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ہمدرد طب - تصنیف - حکیم حاجی عبد الحمید
ناشر - ہمدرد دواخانہ (وقف) دہلی
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۰۸
کاغذ عمدہ - قیمت ایک روپیہ

دار العلوم خلیلیہ نظامیہ ٹونک صفحات ۳۲
عزت کی زندگی " ۸
قواعد ونصابات امتحانات دینی " ۸
ناشر - شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم خلیلیہ ٹونک
حجم ۲۰×۳۰/۱۶

گاندھی جی - تصنیف - خورشید احمد جامی
ناشر - ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد - دکن
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲
کاغذ اچھا قیمت بارہ آنے

لاش - تصنیف صابر
ناشر - ینگ آرٹسٹس سرکل بمبئی
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲
کاغذ اچھا قیمت ۸ آنے

تحفۃ الطاہرین مصنف شیخ محمد اعظم
ناشر - سندھی ادبی بورڈ کراچی
حجم ۲۲×۱۸/۸ کاغذ اچھا
قیمت ۳/۸ روپے

قدم ملا کے چلو

عدم گنجائش کی وجہ سے انجم صاحب کی اس نظم کے چند ٹکڑے یہاں دئے جاتے ہیں جسے سرٹیفون بنانے والوں کی طرف سے پیش کردہ "قدم ملا کے چلو" گیت مقابلے میں اول انعام ایک ہزار روپیہ دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل گزشتہ شمارے میں دی جا چکی ہے۔

کہیں ہے صوبہ پرستی و فرقہ پندار ی
کہیں بنام مذاہب جنونِ غداری
یہ اختلافِ سیاست یہ شورِ ناداری
کہیں زبان کے جھگڑے کہیں دل آزاری
تمام آج کی یہ شورشیں مٹا کے چلو
قدم ملا کے چلو

بہت سے دورِ غلامی میں داغ کھائے ہیں
غموں کے بوجھ دلِ زار پر اٹھائے ہیں
بڑے دنوں میں ہم آزادیوں تک آئے ہیں
اور آج بھی وہی گمراہیوں کے سائے ہیں
مزہ تو جب ہے جو کھویا ہے اس کو پا کے چلو
قدم ملا کے چلو

ہے عام ارضِ وطن میں وبائے خود غرضی
بڑھی ہوئی ہے بہت بیکسوں کی تشنہ لبی
ہوئی نہیں ہمیں حاصل ابھی مرادِ دلی
محبتوں کے بجائے عداوتیں ہیں چھپی
عداوتوں کی یہ چنگاریاں بجھا کے چلو
قدم ملا کے چلو

حریفِ اور بھی ہیں امتحان کے لوگو!
تقاضے کچھ ہیں اور آج کے لوگو!
یہ روز و شب ہیں عجب کام کاج کے لوگو!
ترتیب خود کو کرو قوم و ملک کے لوگو!
رہ خلوص تم داستاں بنا کے چلو
قدم ملا کے چلو

چھٹے نہیں ہیں اندھیرے ہوئی نہیں ہے سحر
گھری ہوئی ہے ابھی ظلمتوں میں نوعِ بشر
حجابِ خاک سے اک بار پھر نمودِ شرر
جو ہو سکے تو دکھا کر جہاں کو رہ نظر
ہر ایک ذرۂ تیرہ کو جگمگا کے چلو
قدم ملا کے چلو

نظامِ کارگہِ کائنات ایک ہی ہے
حیات ایک ہے طرزِ حیات ایک ہی ہے
شعورِ فطرتِ انساں کی بات ایک ہی ہے
دل و نگاہ کی ہر واردات ایک ہی ہے
یہ رنگ و نسل کے سب تفرقے مٹا کے چلو
قدم ملا کے چلو

رخِ حیات کو جرأت کی سرخیاں دے دو
دلوں کو ولولۂ عزم جاوداں دے دو
سبک خرام امیدوں کو کارواں دے دو
روش روش کو امنگوں کی داستاں دے دو
قدم قدم پہ نئے ولولے جگا کے چلو
قدم ملا کے چلو

ہے موت آج کی دنیا میں رنگ بے خبری
رہی سہی گے زیادہ دیر کم نظری
وہ کار شیشہ و آہن ہو یا ہو بخیہ گری
نظامِ نو کی اگر دیکھنی ہے زود اثری
فوائدِ دانشِ فکر و عمل اٹھا کے چلو
قدم ملا کے چلو

چلیں جو شانہ بشانہ رہِ حیات میں ہم
ستارے ٹانک دیں دامنِ ممکنات میں ہم
رہیں کسی سے نہ پیچھے ترقیات میں ہم
نشانِ شہرت و عظمت ہوں شش جہات میں ہم
یہ وقت ہے کہ بس اک کارواں بنا کے چلو
قدم ملا کے چلو

جہاں میں تاج اجنتا کہیں نہیں ملتا
جلال کوہ ہمالہ کہیں نہیں ملتا
کمالِ فن ایلورا کہیں نہیں ملتا
جواب گنگ و جمن کا کہیں نہیں ملتا
نقوشِ عظمتِ ماضی کو جگمگا کے چلو
قدم ملا کے چلو

ستارے توڑ کے لاؤ تو کوئی بات بنے
جبینِ مہر جھکاؤ تو کوئی بات بنے
اک اور چاند بناؤ تو کوئی بات بنے
مثالِ ابر جو چھاؤ تو کوئی بات بنے
زمیں پہ ایک نیا آسماں بنا کے چلو
قدم ملا کے چلو

معاصرین

یہ مشاعرے

دہلی اردو زبان اور ہندستان کی ملی ثقافت اور تہذیب کا مرکز رہی ہے۔ اردو کے مشاعرے دہلی کی ایک قدیم روایت ہیں۔ اور آج بھی لال قلعہ سے لے کر گلیوں تک میں اردو کے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں جس میں بلا امتیاز ہر فرقہ کے شعرا و شاعرات اور مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔ مشاعروں میں شرکت اور اس سے دلچسپی لینا دہلی والوں کا ایک محبوب مشغلہ ہے اور یہ اردو زبان کے قبول عام اور ہردلعزیزی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

لیکن ادھر کچھ دنوں سے مشاعروں میں ہلڑ بازی اور بدتمیزی اور بھونڈے پن کا مظاہرہ ہونے لگا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشاعروں میں شرکت کی غرض ہی شرانگیزی اور بدتمیزی ہے۔

ابھی حال ہی میں لالہ دیش بندھو گپتا کی یاد میں ایک مشاعرہ ہوا اور شاعرات پر آوازے کسے گئے جب احتجاج کیا گیا تو کہہ دیا گیا کہ ہم تو خاموش تھے اور ہمیں خواہ مخواہ یہ الزام دے دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ موقع کی نزاکت ایسی ہوتی ہے کہ خواتین اسٹیج پر علانیہ نہیں کہہ سکتیں کہ ان پر کس قسم کی پھبتیاں کسی گئیں۔ اس لئے کسی خاتون کا یہ کہنا کافی ہے کہ ان سے بدتمیزی کی گئی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بزم مشاعرہ میں ایک صاحب نے تقریر فرمائی کہ اس خاتون کا غصہ دیکھ کر (جو اتفاق سے مسلمان تھیں) انھیں ہندو مہاسبھا کی ضرورت محسوس ہوئی گویا اسے ہندو مسلم سوال بنانے کی کوشش کی گئی اور دھمکی دی گئی ہم ببانگ دہل کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ہندو مسلم سوال ہرگز نہیں تھا بلکہ بے تمیزی اور بے طوائی کا سوال تھا۔ آداب مجلس کا سوال تھا۔ بزم مشاعرہ کے وقار کا سوال تھا۔ اگر ہندو اور مسلم سماج میں تفریق کی جاسکتی ہے تو ہم سے سنئے کہ ہندو سماج اتنا بیدار ہے کہ اگر کوئی ہندو نوجوان کسی ہندو خاتون سے بے تمیزی کرتا تو اسے کبھی معاف نہ کیا جاتا۔ کیا ہندستان کی شریف سوسائٹی آج ایک لمحہ کے لئے گوارہ کرسکتی ہے کہ کسی مسلم خاتون کی کوئی ہندو نوجوان یا کسی ہندو خاتون کی کوئی مسلم نوجوان توہین کرے جو لوگ اس معاملے میں ہندو مہاسبھا کا نام لیتے ہیں وہ نادان ہیں اور ان لوگوں کے سامنے بے نقاب ہوتے ہیں جن سے خراج تحسین وصول کرنا ان کا مقصد زندگی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ادب اور تہذیب کے لئے بے حد صبر آزما ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ دہلی کے مشاعروں میں خواتین کو اس وقت تک شریک نہ ہونا چاہئے جب تک شرافت اور تہذیب رسوا ہوتی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ ادب اردو کی ہردلعزیزی کے لئے مشاعرے بہت ضروری ہیں لیکن جب ادب کی تخریب اور نئے سماج کی تزئین ہوتی ہو تو مشاعروں کو رسوائیوں کا سامان بہم پہنچانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی مشاعروں میں دنیا بھر کی برائیوں کے لئے لائسنس نہیں دیا جاسکتا۔ (اقتباس از پیام وطن)

اردو اور مرکزی گورنمنٹ

ریلوے اور پوسٹ آفس کے محکمے مرکزی گورنمنٹ کے محکمے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ریلوے اسٹیشنوں کے بورڈ سے بتدریج اردو کے نام مٹتے جارہے ہیں اور تیسرے درجے کے مسافروں یا ریفریشمنٹ روموں کے نام بھی ہندی شکل و صورت تو اختیار کررہے ہیں لیکن ان پر اردو حروف کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

محکمہ ڈاک میں کیا ہو رہا ہے؟ اب محکمہ میں جو اضافہ آرہا ہے، وہ ایسے کلرکوں پر مشتمل ہے جو اردو سے کلیتہً کورے ہیں۔ پوسٹ مینوں کا یہ عالم ہے کہ وہ اردو جانتے ہی نہیں۔ اس کے نتیجے میں اردو داں پبلک یا اردو کی ڈاک کے ساتھ جو کچھ سلوک ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر کوئی رجسٹری کرائی ہو اور اس پر پتہ اردو میں لکھا ہوا ہو تو بابو جی اردو میں کمزور ہی نہیں بلکہ کورے نکلیں گے۔ اب انھیں اردو کا پتہ

چلہ کر بتایئے یا ایک اردو پڑھا لکھا آدمی ہمراہ لایئے تب کہیں جاکر وہ رجسٹری ہو سکے گا۔ وہ پوسٹ مین جو اردو نہیں جانتے اردو کے خطوط کے ساتھ جیسا سلوک کر سکتے ہیں اس کا اندازہ کرنا بھی کچھ مشکل نہیں اگر ایسے خطوط اپنے مکتوب الیہ تک نہ پہنچ سکیں تو اس میں پوسٹ مین بیچارے کا کیا قصور؟ حکومت ہند کی مسند اقتدار پر جو بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اردو کو ملک کی عوامی زندگی میں کتنا درجہ حاصل ہے۔ لیکن باوجود حد درجہ "فیاض" ہونے کے انھوں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ڈاک خانوں کے کلرکوں اور پوسٹ مینوں کے لئے اردو کا جاننا کس قدر ضروری ہے اور اردو کی عدم موجودگی میں عوام کی ڈاک کے لئے کس قدر خطرات ہو سکتے ہیں۔

(اقتباس از "مبارک" سہ روزہ دار)

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند کا یہ ترجمان اب ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ انجمن اور اردو سے متعلق خبریں، شذرات اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اردو کے نامور ادیب، نقاد اور شاعر پروفیسر آل احمد سرور اس کے ایڈیٹر ہیں۔ ہر اردو دوست کو یہ پرچہ خریدنا چاہئے۔ قیمت سالانہ تین روپے ملنے کا پتہ :- ہماری زبان۔ دفتر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

(تبصرہ ماہنامہ آج کل دہلی)

اردو لغت

ایک جامع لغت کی تحریک

انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے اپنے جریدہ ہماری زبان میں تحریک پیش کی ہے کہ اردو کا ایک جامع لغت تیار کیا جائے اور یہ تحریک اردو زبان و ادب کی ترقی کے سلسلہ میں ہر اعتبار سے مناسب ہی نہیں ضروری ہے۔

اردو میں امیر اللغات کی ابتدائی دو جلدوں کے بعد بھی دو خاصے ضخیم اور جامع لغت فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات کے نام سے موجود ہیں۔ لیکن فرہنگ تو اب بہت ہی پرانا ہو چکا ہے اور نور کی ترتیب و تالیف کو بھی اب ایک لمبی مدت گزر چکی ہے۔ زبان کی روز افزوں ضرورتیں ایک جدید لغت کو ناگزیر بنائے ہوئے ہیں۔ تقسیم ملک سے کئی سال قبل مولوی عبدالحق صاحب بابائے اردو نے ایک نئے لغت کی تدوین شروع کرادی تھی اور کام بڑی حد تک ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ تو یہ ہوا کہ اس کے خاص کارکن مولوی احتشام الدین دہلوی، ایم۔ اے (علیگ) کی زندگی نے وفا نہ کی اور پھر بڑی بات یہ ہوئی کہ اس سرمایہ کا بڑا حصہ ستمبر ۴۷ء کے ہولناک واقعات اور اس کے عواقب و نتائج کی نذر ہو گیا لیکن الحمد للہ (جیسا کہ ہماری زبان سے معلوم ہوا) کہ اس کے کچھ اجزا آتش زنی، لوٹ مار اور دیمک سے بچ کر محفوظ بھی رہ گئے ہیں ناظم صاحب انجمن ان اوراق کی بنیاد پر اور جدید رفیقوں اور کارکنوں کی مدد سے یقیناً ایک جامع لغت تیار کرا سکتے ہیں اور ان کا منصوبہ یہ ہے کہ تخمیناً ۵ ہزار صفحات کی چار جلدیں چار سال کے اندر شائع کی جا سکتی ہیں — ارادہ ہر طرح مبارک ہے اور اس کے لئے صوبہ سرکار اور سرکار ہند دونوں سے معقول امداد حاصل کی جا سکتی ہے۔ صوبہ سرکار کے نام پر اردو کام کے سلسلے میں کسی صاحب کو اگر ہنسی آجائے تو وہ یاد کریں کہ نئی وزارت قائم ہونے کے بعد لازمی نہیں کہ اردو بیزاری اور اردو کشی کی یہی فضا قائم رہے

(صدق جدید لکھنؤ)

ہماری زبان کے پچھلے شمارے دفتر میں موجود نہیں ہیں اس لئے جو صاحب جس تاریخ سے خریداری قبول کریں گے اسی تاریخ کے شمارے سے اخبار جاری کیا جا سکے گا۔

اردو ادب میں جان گلکرائسٹ کا مقام

(بہ سلسلہ گزشتہ)

اُردو لغت

ڈاکٹر گلکرائسٹ نے فورٹ ولیم کالج کے صدر مقرر ہونے سے قبل ہی کئی کتابیں لکھی تھیں اور وہ کتابیں اپنی نوعیت کی اولین کوششیں تھیں۔ مثلاً نو سال کی محنت سے تیار کردہ کتب۔ (۱) انگریزی اردو لغت (۲) ہندوستانی علم اللسان جس میں انگریزی۔ اُردو اور اُردو۔ انگریزی کی طویل فرہنگ بھی شامل تھی، اور قواعد اُردو پر ایک عالمانہ اور مبسوط مقدمہ بھی تھا۔ (۳) اُردو کی صرف و نحو (۴) مشرقی زبان داں یعنی ہندوستان کی زبان خاص و عام اردو کے متعلق ایک آسان مقدمہ اور (۵) اردو زبان پر مختصر مقدمہ جسے ڈاکٹر گلکرائسٹ نے ۱۸۰۱ء میں صدر کالج مقرر ہونے سے پیشتر ہی شائع کر دیا تھا، اور چار سال کے قیام کالج میں تقریباً ایک درجن کتب کو شائع کیا۔ اس کالج کے آپ چار سال تک ہی صدر رہے۔

سنگھاسن بتیسی

دوران قیام کالج میں آپ نے جو کتابیں لکھیں ان کے نام یہ ہیں:—

(۱) ہندی کی آسان مشقیں ۱۸۰۱ء (۲) فارسی افعال کا جدید نظریہ ۱۸۰۱ء (۳) اجنبیوں کے لئے رہنمائے اُردو ۱۸۰۲ء (۴) بیاض ہندی یعنی فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی مطبوعات کا انتخاب جس کو ہندی مینوئل کا نام بھی دیا گیا تھا ۱۸۰۲ء۔ اس کتاب میں جن کتب سے اقتباسات لئے گئے ہیں وہ تھیں اخلاق ہندی (میر بہادر علی حسینی) مرثیہ (میر عبداللہ مسکین) سنگھاسن بتیسی (مرزا کاظم علی جوان) مادھونل (مظہر علی خاں ولا و للو لال) توتا کہانی جسے بعد میں لوگوں نے طوطا کہانی لکھا (میر حیدر علی حیدری) باغ و بہار (میر امن) نثر بے نظیر (میر بہادر علی حسینی) اور باغ اُردو (میر شیر علی افسوس)۔ (۵) عملی خاکے، تلفظ کے متعلق ایک مفید رسالہ (۶) ہندی الفاظ کی قرأت (۷) اتالیق ہندی (۸) ہندی عربی آئینہ یعنی عربی اور اُردو کی ہم معنی جدولیں۔

ہندوستان سے انگلستان مراجعت کرنے کے بعد باوجود علالت کے آپ کے ترویج اُردو کے شوق میں کوئی کمی نہ ہوئی اور آپ نے وہاں جاکر مکالمات انگریزی یعنی روزانہ گفتگو کے فقروں جملوں کو یکجا کرکے اڈنبرا سے شائع کیا۔ مشرقی قصے یعنی "لقمان کی حکایت" اور "ہندی داستان گو" بھی شائع کیں۔

میر امن دہلوی

یہ کتب تو تھیں ڈاکٹر گلکرائسٹ کی اپنی لکھی ہوئی لیکن ان کی سرپرستی اور اعانت سے فورٹ ولیم کالج کے جن مصنفین نے نظم و نثر کی کتب لکھیں ان کے ناموں کی فہرست بھی کافی طویل ہے، جن میں میر امن دہلوی (مصنف باغ و بہار) سید حیدر بخش حیدری (مصنف طوطا کہانی۔ آرائش محفل۔ گل مغفرت، تذکرہ گلشن ہند، گلزار دانش۔ ہفت پیکر۔ گلدستۂ حیدری۔ تاریخ نادری وغیرہ) میر شیر علی افسوس (مصنف آرائش محفل۔ باغ اُردو) میر بہادر علی حسینی (مصنف نثر بے نظیر۔ اخلاق ہندی۔ رسالہ گلکرائسٹ) مرزا علی لطف (صاحب تذکرہ گلشن ہند) مظہر علی خاں ولا (مصنف مادھونل۔ اتالیق ہندی۔ بیتال پچیسی وغیرہ) مرزا کاظم علی جوان (مصنف شکنتلا ناٹک۔ بارہ ماسہ۔ تاریخ فرشتہ) شیخ حفیظ الدین (مصنف خرد افروز) للو لال کوی (مصنف پریم ساگر۔ مطالب ہندی۔ سنگھاسن بتیسی۔ سبھا بلاس وغیرہ) خلیل علی خاں اشک (مصنف قصہ امیر حمزہ وغیرہ) نہال چند لاہوری (مصنف مذہب عشق) میر عبداللہ مسکین (مرثیہ گو) مرزا محمد فطرت (مترجم انجیل مقدس) میر محی الدین (مصنف چشمۂ فیض) اور سید حمید الدین بہاری (مصنف خوان الوان) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اُردو یونیورسٹی

ڈاکٹر گلکرائسٹ لارڈ ولزلی کی امداد و اعانت سے فورٹ ولیم کو اُردو یونیورسٹی میں تبدیل کرنا چاہتے تھے لیکن خرابی صحت کی بنا پر انگلستان مراجعت کر جانے کی وجہ سے اِس ادارے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ انھوں نے اردو مصنفین سے مختلف مضامین پر کتب کی ترتیب و تدوین کا کام لیا۔ لیکن ان میں اکثر و بیشتر کتب قصص و حکایات کی تھیں۔ کیونکہ یہ کالج انگریزوں اور دیگر یورپین لوگوں کو اُردو میں عملی مہارت دینے کے لئے کھولا گیا تھا اس لئے اس میں سادہ زبان، سادہ الفاظ، سادہ تخیل کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ لیکن ان بنیادی کتب نے اُردو نثر کی ایسی پختہ بنیاد رکھی کہ امتداد زمانہ کے ساتھ وہ پختہ تر ہوتی گئی۔ چونکہ متعلمین کالج یورپین لوگ تھے اس لئے انگریزی کتب کے تراجم کی طرف توجہ نہ کرکے فارسی کے ترجمے کرائے گئے تھے تاکہ عوام جو فارسی کی پیچ پر ثقیل الفاظ کی طرف مائل تھے وہ سادگی کو پسند کریں اور سادہ زبان لکھیں۔

اُردو ٹائپ

ڈاکٹر گلکرائسٹ نے آج سے ڈیڑھ سو سال پیشتر اُردو ٹائپ کی طرف دھیان دیا تھا۔ کاش کہ وہ کوشش بدستور جاری رہتی تو آج اُردو بھی کتابت کی تکلیف سے آزاد ہوچکی ہوتی دوسری جدت ڈاکٹر گلکرائسٹ کی انجیل اور قرآن کے اُردو تراجم کی تھی۔ ان صحائف کو اردو کا جامہ پہنا کر انہوں نے بڑی بھاری روحانی تحقیق اور تبلیغ و اشاعت دین کی ضرورت کو پورا کیا۔ ہندوستان سے خرابی صحت کی بناپر ریٹائر ہوجانے کے بعد ڈاکٹر گلکرائسٹ اپنے ملک اسکاٹ لینڈ روانہ ہوگئے۔ وہاں صحت یاب ہونے پر وہ اپنے ادبی مشاغل اور اُردو کے فروغ کی مساعی جمیلہ میں پھر سے منہمک ہوگئے۔ تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ لیکن چونکہ وہاں مواقع محدود تھے اس لئے ۱۸۱۶ء میں چلے آئے اور یہاں ایک پرائیویٹ ادارہ قائم کیا۔ جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اور ہندوستان میں دیگر ذرائع سے کسب معاش کے امیدواروں کو درس دیا کرتے تھے۔ ابھی اس ادارہ کو جاری ہوئے دو ہی سال ہوئے تھے کہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی نے اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کے نام سے اس مقصد کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس میں ڈاکٹر گلکرائسٹ کو اُردو کی پروفیسری پر مامور کیا گیا۔ لیکن سات سال بعد تخفیف مصارف کے خیال سے اس ادارہ کو نظمائے کمپنی نے بند کردیا اور ڈاکٹر گلکرائسٹ بھی اس خدمت سے سبکدوش ہوگئے۔

انھوں نے پرائیویٹ طور پر کمپنی کے امیدواران ملازمت کو اُردو سکھانے کا کام جاری رکھا۔ لیکن چند سال بعد ڈنکن فوربس وغیرہ کو یہ کام سپرد کرکے خود اپنے وطن چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد پیرس میں ۸۸ سال کی عمر میں جنوری ۱۸۴۱ء کو اُردو کے اس بے لوث بہی خواہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مجبوراً آپ کی اُردو خدمات اور دیگر ادبی کارہائے نمایاں کا اگر شمار کیا جائے تو بلا خلاف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے سادہ اُردو نثر کی ترویج، انگریزی اُردو لغت اور اُردو قواعد صرف و نحو کی تصنیف، فارسی کے اُردو تراجم کے منتخبات کی تدوین، کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے لائحۂ عمل کی ترتیب نیز ہندوستان کے تمام گوشوں سے ارباب قلم کا اس ادارے میں اجتماع، انگلستان میں ریٹائر ہونے کے بعد اُردو کی تدریس کی مساعی جمیلہ اور بیش بہا کتب کی تصنیف اور اُردو میں ٹائپ کے اجراء کا بیڑا اٹھاکر اُردو ادب پر بہت بھاری احسان کیا۔

سرکاری زبان

آپ کی کوششوں کو جاری رکھنے کے لئے اگرچہ فورٹ ولیم کالج میں آپ کے جانشینوں میں سے ٹامس روبک، ولیم کری اور جوزف ٹیلرز وغیرہ نے بھی حتی الامکان بہت کچھ کیا۔ جس کی وجہ سے ۱۸۳۲ء میں اُردو ہندوستان کی سرکاری زبان قرار پائی۔ لیکن آج تک اُردو کو ڈاکٹر گلکرائسٹ جیسا بہی خواہ اور محسن نہیں مل سکا۔

اُردو نثر اگر آج دنیا کے تمام علوم وفنون کو اپنے اندر سمانے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بلا مبالغہ اُردو کی اس کامیابی اور وسعت قلبی کا سہرا آنجہانی ڈاکٹر گلکرائسٹ کے سر ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
